ٹھوکریں

از

پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم۔اے،

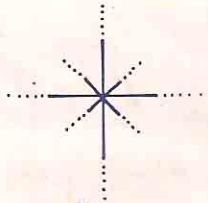

ناشر:

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ،

دارالعرفان منارہ ضلع چکوال

بھلوال، ضلع سرگودھا سے ایک خط کا جواب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ' آپ کا گرامی نامہ پہنچا۔ جواب میں جان بوجھ کر تاخیر کی۔ وجہ یہ کہ آپ نے جو باتیں پوچھی ہیں۔ ان پر بہت سی ذہنی کشتی ہو رہی ہے۔ اس کی وجہ بھی ایک تاریخی عمل ہے۔ جس کا ذکر میں اخیر میں کروں گا۔

آپ نے چار باتوں کے متعلق تو صاف اظہار فرمایا کہ یہ عقیدہ سے تعلق رکھتی ہیں صرف پانچویں بات کے متعلق شرعی حیثیت پوچھی۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ان کے متعلق شرعی نقطہ نگاہ سے کچھ کہنا صرف مفتی کا کام ہے۔ عام عالم کا بھی یہ منصب نہیں اور میں نہ یہ ہوں نہ وہ۔ اس لیے میرا کچھ کہنا ایک اناڑی کی رائے سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ بہرحال آپ نے جس انداز سے پوچھا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ جو کچھ سمجھ میں آتا ہے کہہ دیا جائے مگر آپ اسے فتویٰ نہ سمجھیں ایک کم علم کی رائے ہی سمجھیں۔

سوال نمبر ۱:۔ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق عقیدہ حاضر ناظر اور حرف ندا سے پکارنا دور سے۔

جواب:۔ سب سے پہلے حاضر و ناظر کے معنی سمجھنا ضروری ہے لغت میں حاضر کے معنی موجود اور ناظر کے معنی دیکھنے والا ہے اور اصطلاح میں حاضر و ناظر کے معنی وہ ہستی ہے جو ہر جگہ ہر وقت موجود ہو اور کائنات کے ذرے ذرے کو دیکھ رہی ہو۔

اس کے بعد یہ دیکھنا ہے کہ عقیدہ کس کو کہتے ہیں؟ عقیدہ ایمان و یقین کا وہ بیج ہوتا ہے جس سے عمل کا درخت پھوٹتا نشوونما پاتا اور پھل دیتا ہے پھر یہ دیکھنا ہے کہ اسلام میں عقیدہ کی اہمیت کیا ہے۔ یہ سمجھنے کے لیے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ۱۳ سالہ مکی زندگی پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرمؐ نے یہ تیرہ سال صرف عقائد سکھانے اور پختہ کرنے پر صرف کیے۔ عمل کی ابتداء عبادت سے ہوتی ہے تو اس عرصے میں عبادات منصوصہ میں سے کوئی عبادت فرض نہیں ہوئی تھی۔

پھر یہ دیکھنا ہے کہ عقائد کی فہرست قرآن کریم میں دے دی گئی ہے اور جس عقیدے کی تعبیر یا تشریح کی ضرورت پڑی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً" و فعلاً" کر دی جس کا ریکارڈ حدیث کی کتابوں کی صورت میں موجود ہے۔

پھر یہ دیکھنا ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر جو ایک لاکھ سے زائد آدمی اسلام لائے اور بیعت کی۔ حضور اکرمؐ نے ان کو اسلام میں داخل کرتے وقت پھر ان کی تربیت کرتے وقت کیا یہ بھی مطالبہ کیا کہ میرے حاضر ناظر ہونے پر ایمان لاؤ؟ اگر نہیں کیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپؐ نے کسی کو مسلمان کیا ہی نہیں جب عقیدہ ہی ادھورا ہوا تو آدمی اسلام میں داخل کیسے ہو گا۔

پھر یہ دیکھنا ہے کہ حضور اکرمؐ اپنی اس دنیوی زندگی میں بھی حاضر ناظر تھے یا دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد حاضر ناضر بن گئے۔ اگر اس دنیوی زندگی میں بھی حاضر ناظر مانا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ حضور اکرمؐ نے نہ ہجرت کی نہ معراج پر گئے کیونکہ جو حاضر ناظر ہو اس کے آنے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ ان سارے واقعات کا انکار کرنا پڑے گا جن میں بیان ہوا ہے کہ حضور اکرمؐ فلاں جگہ گئے مثلاً طائف گئے۔ بدر گئے۔ احد گئے وغیرہ اور اگر یہ مانا جائے کہ گئے تھے تو حاضر ناظر کے غبارے سے ہوا نکل جاتی ہے۔

اور اگر یہ مانا جائے کہ نہیں حضور اکرمؐ اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد حاضر ناظر ہو گئے تو اس کے لیے پہلا ثبوت یہ درکار ہے کہ عقیدہ کا تعین اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تو یہ وحی کس پر نازل ہوئی کہ اب حضورؐ اکرم حاضر ناظر ہو گئے ہیں اگر ایسا کوئی نہیں کیونکہ وحی تو نبی پر آتی ہے اور نبوت ختم ہو گئی۔ تو اس کے بغیر کیا کیا جا سکتا ہے کہ اگر اسے عقیدہ کہا جائے تو نہ تو اللہ نے سکھایا نہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا بلکہ یہ ایجاد بندہ قسم کی چیز ہے۔

اب رہی بات حرف ندا سے پکارنا۔ تو سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی ضرورت کیا ہے پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عملی زندگی میں کبھی ایسا ہوا ہے کہ کوئی ان پڑھ اور گنوار آدمی بھی کسی ایسے آدمی کو پکارنا شروع کر دے جو موجود نہ ہو اگر کوئی ایسا کرے تو اسے حماقت سمجھا جاتا ہے۔ یہاں یہ حماقت عبادت کیونکر بن جاتی ہے۔ اور جب عملی زندگی میں اس کی ضرورت کوئی نہیں تو کسی فضول کام کو عبادت قرار دینے میں کیا تک ہے؟ میرے خیال میں اس سوال کے متعلق اس سے زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ آپ تنہائی میں بیٹھ کر اس پر غور کریں۔

سوال نمبر2:۔ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق نور و بشر ہونے میں عقیدہ اعتدال۔

جواب:۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ بشر کس کو کہتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے جو مخلوق تعلق رکھتی ہے اسے بشر کہتے ہیں اسی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام

کو ابو البشر کہتے ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ حضور اکرمؐ حضرت آدمؑ کی نسل سے تھے یا نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ نور کسے کہتے ہیں۔ ایک افسر نے مجھے جواب دیا تھا کہ اللہ نور السموت و الارض۔ اللہ زمین و آسمان کا نور ہے۔ میں نے پوچھا کہ اللہ نظر آتا ہے کہنے لگے نہیں میں نے پوچھا کیا حضورؐ نظر آتے تھے؟ کہنے لگے ہاں نظر آتے تھے۔میں نے کہا کہ اس معمہ کو حل کیجئے کہ نور نظر آتا بھی ہے اور نظر نہیں بھی آتا۔ ایک چیز کی دو متضاد خاصیتیں کیسے ہو سکتی ہیں۔

اس مسئلہ پر غور کرنے کا ایک انداز اور بھی ہے۔ وھو ھذا حضور اکرمؐ خالق تھے یا مخلوق تھے؟

مخلوق تھے۔

مخلوق کی کتنی قسمیں ہیں؟

چار قسمیں تو انسان کے حواس کی حدود میں آتی ہیں جمادات نباتات حیوانات اور بشر۔ دو قسمیں اہل فن کے بتانے پر مانتے ہیں فرشتے اور جن۔

یہ چھ قسمیں ایک ہی درجے کی ہیں یا گھٹیا بڑھیا ہیں۔

ان میں کوئی گھٹیا ہے کوئی بڑھیا ہے۔

عقل کیا کہتی ہے کہ حضور اکرمؐ کا تعلق کسی گھٹیا مخلوق سے ہونا چاہیے یا اعلیٰ سے؟

حضور اکرمؐ کا تعلق سب سے اعلیٰ مخلوق سے ہونا چاہیے۔

آپ کے خیال میں سب سے اعلیٰ مخلوق کونسی ہے؟

سب سے اعلیٰ مخلوق فرشتے ہیں کیونکہ وہ نور سے پیدا ہوئے ہیں۔

حضور اکرمؐ معراج پر تشریف لے گئے تھے؟

ہاں تشریف لے گئے تھے۔

آپؐ اکیلے تھے یا کوئی ساتھ بھی تھا؟

جبرائیلؑ آپؐ کے ساتھ تھے جو سب فرشتوں کے سردار ہیں۔

کیا وہ سارے سفر میں حضور اکرمؐ کے ساتھ رہے۔

نہیں سدرۃ المنتھیٰ پر رک گئے۔

کیوں رک گئے؟

کہنے لگے میں آگے نہیں جا سکتا میرے پر جل جاتے ہیں۔

اس سے آگے سفر کی انتہا تک حضورؐ اکیلے گئے کیا؟

ہاں اکیلے گئے۔

اب بتائیے کہ جو راستے میں رک گیا وہ اعلیٰ ہے یا جو آخری مقام تک گیا وہ اعلیٰ ہے

اعلیٰ وہ ہے جو آخری مقام تک گیا۔

پھر وہ تو وہی ہے جو ابو البشر کی نسل سے تھا۔ اور جس کی زبان سے اللہ کریم نے بار بار اعلان کرایا کہ میں بشر ہوں۔ مگر وہ بشر اور ایسا بشر کہ اللہ اس سے باتیں کرتا ہے۔

اس مسئلہ پر غور کرنے کا ایک اور طریقہ بھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔ اللہ کریم نور ہے جیسا کہ اس نے خود فرمایا ہے اور بشر خاکی مخلوق ہے مگر اللہ کا نائب ہے۔ اللہ نے بشر کو احکام دینے تھے تعلیم دینی تھی مگر خاکی بشر میں یہ ہمت کہاں کہ اللہ سے ہم کلام ہو کر اس سے تعلیم حاصل کر سکے۔ اگر یہ ممکن ہوتا تو ہر بشر اللہ سے باتیں سنتا اور کرتا اس کا حل یہ نکلا کہ خاکی بشر کے وجود میں ایک ایسا پرزہ رکھ دیا جس کے دو پہلو ہیں ایک خالق کی طرف دوسرا مخلوق کی طرف جو پہلو خالق کی طرف ہے وہ نوری ہے۔ اس لیے کہ نور کی بات نور ہی سن سکتا ہے اور جو پہلو مخلوق کی طرف ہے اس میں خاکی کی خاصیت ہے تاکہ خاکی' خاکی کو سنا سکھا پڑھا سکے یہ کیسے معلوم ہوا؟ یہ اس طرح کہ اللہ کریم نے فرمایا انه لتنزیل رب العلمین نزل به الروح الامین علی قلبک۔ یعنی یہ قرآن اللہ نے نازل کیا جو نور ہے۔ روح الامین لے کر آیا جو نور ہے اور تیرے دل پر نازل کیا جو نور ہے یعنی نور نے نور سے لے کر نور تک پہنچا دیا مگر آگے بشر تک کیسے پہنچا؟ بشر تک پہنچایا بشر نے زبان کے ذریعے اعضاء و جوارح سے عمل کر کے پہنچایا۔

اس کی تشریح حضور اکرمؐ کی زبان سے ہوتی ہے آپؐ نے فرمایا میری آنکھیں سوتی ہیں میرا دل نہیں سوتا" نہ سونا نور کی خاصیت ہے اور سونا بشر کی خاصیت تو نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ سے لینے کے لیے حضور اکرمؐ نور ہیں اور بشر میں بانٹنے کے لیے آپؐ بشر ہیں۔

میرے خیال ہے اس مسئلہ پر اس سے زیادہ اور کچھ کہنے کی ضرورت نہیں غور فرما کر نتیجہ خود نکال لیں۔

سوال 3 :۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق علم غیب کی نسبت عقیدہ اعتدال؟

جواب :۔ غیب کے معنی پوشیدہ چیز کے ہیں۔ علم غیب کے معنی پوشیدہ چیزوں کو جاننا۔ اصطلاح شریعت میں عالم الغیب کے معنیٰ وہ ہستی جو پوشیدہ چیزوں کے متعلق بغیر کسی کے بتائے اور بغیر کسی واسطہ کے علم رکھتی ہے اس لیے عالم الغیب سوائے رب العالمین کے اور کوئی نہیں اسی لیے قرآن کریم میں کئی مقامات پر یہ بیان کیا گیا کہ عالم الغیب سوائے اللہ کریم کے کوئی نہیں اور

کئی مقامات پر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلان کرایا گیا کہ لا اعلم الغیب یعنی میں عالم الغیب نہیں ہوں۔ مگر دو تین مقامات پر بتایا گیا کہ اللہ کریم اپنے علم غیب سے رسولوں میں سے جس کو چاہے مطلع کر دیتا ہے علم غیب کے متعلق قرآن کریم کی تمام آیات کو ملا کر دو اصول واضح طور پر ظاہر ہوتے ہیں۔

۱۔ علم غیب سوائے اللہ کے کسی کے پاس نہیں۔

۲۔ وہ اپنے علم غیب میں سے اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے بتاتا ہے اب اگر کوئی کہے کہ نہیں اللہ کے بغیر اور بھی کوئی عالم الغیب ہے تو اس کے دو جواب ہوں گے اول یہ کہ وہ اعلان کر رہا ہے کہ قرآن غلط کہتا ہے دوم یہ کہ کہ وہ اعلان کر رہا ہے کہ معاذ اللہ ' اللہ نے جھوٹ کہا ہے اور یہ دونوں باتیں کفر ہیں۔

دوسری بات کہ اگر کوئی شخص نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ناپنے لگے اور کہے کہ حضورؐ کو اتنا علم تھا یا اللہ نے اتنا علم دیا تو گویا وہ اعلان کرتا ہے کہ:۔

۱۔ وہ اللہ کے برابر عالم الغیب ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ کا علم غیب اتنا ہے۔

۲۔ وہ اعلان کرتا ہے کہ وہ رسول کے برابر علم رکھتا ہے کیونکہ اسے علم ہے کہ اللہ نے اپنے رسولؐ کو اتنا علم دیا۔ یعنی اللہ نے رسول کو علم دیا اور اس کو بتا دیا کہ میں نے رسول کو اتنا علم دیا ہے۔

۳۔ وہ نبوت کا دعویٰ کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ وحی کا علم انبیاءؑ کو دیتا ہے یہ اصولی بات ہے کہ نبی کے علم ناپنے کے لیے وہی آگے آئے جو نبی سے زیادہ علم رکھتا ہو یہ کیونکر ممکن ہے کہ پرائمری کا طالب علم کسی پروفیسر کا علم ناپنے لگے۔ اس لیے قرآن و سنت کی تعلیمات سے جو بات ہمیں سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ آدمی اس حقیقت پر یقین رکھے کہ۔

اللہ کریم نے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو جس مقصد کے لیے دنیا میں بھیجا تھا اس مقصد کے پورا کرنے کے لیے جتنی تعداد میں اور جتنی مقدار میں علوم کی ضرورت تھی اللہ نے حضورؐ کو سارے کے سارے دے دیئے۔ ان کی مقدار اور حقیقت یا دینے والا جانتا ہے یا لینے والا۔ میں اور آپ خواہ مخواہ جمع تفریق نہ کریں۔

سوال نمبر ۹:۔ مسئلہ استمداد و اعانت (دور سے اہل قبور کو سامع سمجھ کر امداد طلب کرنا اور ان سے عزت رزق اور مدد طلب کرنا)

جواب:۔ یہ مسئلہ تو کئی مسئلوں کا مجموعہ ہے ہر ایک سے الگ الگ نمٹنا پڑے گا۔

۱۔ دور سے اہل قبور کو سامع سمجھ کر امداد طلب کرنا۔ اس کی دو صورتیں ہیں یا تو قرآن و سنت میں کوئی ہدایت ہو کہ ایسا کیا کرو۔ پھر تو کرنا چاہیے مگر مجھے کوئی ایسی ہدایت یا حکم نہیں ملا کسی کو ملا ہو تو وہ کرے۔

۲۔ یا کسی کا تجربہ ہو کہ اہل قبور جب اس دنیا میں ہمارے درمیان رہتے تھے زندہ تھے تو ہم گھر بیٹھے میلوں دور انہیں پکارتے تھے اور وہ جھٹ پہنچ جاتے تھے۔ ہمیں تو ایسا کوئی تجربہ نہیں ہوا بلکہ ہمارا تجربہ تو یہ ہے کہ پاس والے کمرے میں بیٹھے ہوتے اور ہم آواز دیتے تب بھی نہیں سنتے تھے ہاں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ کہتے تو وہ ہاتھ اٹھا کر دعا کر دیتے اور وہ دروازہ دکھا دیتے جہاں سے سب کچھ ملتا ہے کسی کو اس سے مختلف تجربہ ہوا ہو تو کرتا رہے۔

۳۔ رزق اور اولاد طلب کرنا۔ یعنی جب وہ زندہ تھے تب تو رزق اور اولاد اللہ ہی دیتا تھا جب وہ قبروں میں پہنچ گئے اللہ نے یہ چارج ان کو دے دیا؟

اللہ کریم نے اعلان فرمایا ہے ادعونی استجب لکم میرے بندو مجھ سے مانگو میں تمہیں دوں گا۔ اب اگر آدمی کو اللہ کی بات پر اعتبار نہ ہو یا اسے کہیں سے علم ہو گیا ہو کہ اب اللہ کے پاس کچھ نہیں رہا تو وہ جس سے چاہے مانگتا پھرے۔

سوال نمبر5:۔ اذان سے پہلے درود اور اذان کے بعد صلوۃ و سلام کی شرعی حیثیت اور شرعی حکم اس کی حیثیت (واجب سنت یا مستحب یا بدعت)۔

جواب:۔ شریعت نام ہے قرآن و سنت کے احکام اور ان کی تعلیمات کا۔ قرآن کریم بنیادی ماخذ ہے اللہ کریم نے بھیجا نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو پہنچایا۔ اس کی تفسیر اپنی زبان مبارک سے فرمائی اور اس کے احکام پر عمل کر کے دکھایا اور اپنے شاگردوں سے اپنے سامنے عمل کرایا اس کتاب اور اس کی تفسیر علمی اور عملی مل کر کتاب و سنت کہلائیں اور ان سے کتابی صورت میں جو شریعت بنی اس کو فقہ کہتے ہیں اور یہ کام صحابہؓ کے کئی شاگردوں نے کیا مگر چار حضرات ایسے ہیں جنہوں نے شریعت کی مکمل تدوین کی اور اب تک مسلمان ان سے ہی شریعت سیکھتے چلے آ رہے ہیں ان میں سے ہمارے استاد امام ابو حنیفہؒ ہیں انہوں نے کتاب و سنت کے سمجھنے سمجھانے اور پڑھنے پڑھانے میں عمر صرف کی پھر چالیس ماہر علماء کی کمیٹی بنائی جو کئی سال تک مسلسل اس کام میں لگی رہی کہ کتاب و سنت سے شریعت کے مسائل اخذ کر کے جمع کرتے رہیں۔ فقہ حنفی کی تین بنیادی کتب ہیں جن کو متون الثلاثہ کہتے ہیں ان کے علاوہ دو قسم کی اور کتابیں ہیں جن کو شروح اور فتاوی کہتے ہیں۔

یہ مسئلہ جو آپ نے پوچھا ہے نہ کتاب میں ہے نہ سنت میں ملتا ہے نہ فقہ حنفی کی مدون کی گئی کتابوں میں اس کا ذکر ہے نہ شروح میں نہ فتاوی میں تو میں آپ کو اس کی شرعی حیثیت کیا بتاؤں اور شرعی حیثیت پوچھی جاتی ہے ثواب کے لیے اور یہ مسئلہ ہے "سواد" کا یعنی قوم ہو گئی ہے Music Minded اس لیے یہ خوراک تجویز کی گئی ہے۔ میری سمجھ میں تو اس کی حیثیت یہ ہے۔

گانے کی الفت بھی ہے دل میں اور اس کی چاہ بھی
گاتے جاتے ہیں سپیکر پر یا رسول اللہ بھی

یاد رہے کہ یہ "سوادی" کام شروع ہوئے چند برس ہی ہوئے ہیں یا یوں کہیے کہ جتنی عمر لاؤڈ سپیکر کی ہے اتنی یا اس سے کچھ کم عمر اس مسئلہ کی ہے کیا چودہ صدیوں میں لاؤڈ سپیکر سے ایجاد ہونے سے پہلے دنیا بھر میں جتنی اذانیں ہوئیں وہ سب غلط ناقص نامکمل بلکہ ناجائز ہوئیں؟

میرے خیال میں آپ کے پانچوں سوالات کے جوابات جو میری سمجھ میں آئے بیان کر رہا ہوں اب ذرا ان مسائل کی تاریخی سرگزشت بھی سن لیں۔

۱۸۵۳ء انگریز غاصبانہ طور پر برصغیر کے حکمران قرار پائے ۱۸۶۰ء میں انہوں نے ایک مہربانی مسلمانوں پر اور اسلام پر کی کہ کاغذات مال میں امام مسجد کو کمین درج کرنے کا حکم دیا اور آج ۲۵ مارچ ۱۹۹۴ء تک امام مسجد کمیں درج ہے۔

اس کا اثر یہ ہوا کہ جو لوگ اپنے آپ کو اونچی ذات سمجھتے تھے وہ اس کام سے پیچھے ہٹ گئے اور جو اپنے آپ کو نیچ ذات شمار کیے جانے کا یقین رکھتے تھے وہ آگے بڑھے اور امام مسجد بن گئے۔ چنانچہ آج آپ دیہات میں پھر جائیں امام مسجد آپ کو وہی ملیں گے جن کو معاشرہ آج بھی گھٹیا ذات سمجھتا ہے۔ ان کمین اماموں نے اپنی اہمیت ظاہر کرنے کے لیے اور اپنی "ٹوہر" بنانے کے لیے یہ سب مسئلے ایجاد کیے ان میں سے کوئی مسئلہ ۱۸۶۰ء سے پہلے نہیں ملے گا نہ ہمارے ملک کے علاوہ کسی اور جگہ ملے گا۔ یہ ہے ان مسائل کی تاریخی سرگزشت اس مسئلہ پر مزید معلومات کے لیے ملاحظہ ہو کراچی سے ایک خط کا جواب۔

مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ

پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم اے

کراچی سے ایک بزرگ کا گرامی نامہ پہنچا جس میں یہ سوال تھا۔ کہ سنا ہے پنجاب میں کاغذات مال میں امام مسجد کو "کمین" لکھا ہوا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟ اگر ایسا ہے تو کیوں ہے؟ اور "کمین" کا مطلب کیا ہے۔

یہ بحث بڑی نازک ہے اور یہ حادثہ بڑا دردناک ہے۔ مگر اسے منظر عام پر لانا فائدہ سے خالی نہ ہو گا۔

پہلے سوال کا جواب۔ ایک گاؤں کے 1880ء کے کاغذات مال میں سے ایک ضروری حصے کی نقل حاضر ہے۔

قسم چاکر دیہی	حقوق چاکر دیہی	خدمات چاکران دیہی
	فصل ربیع - فصل خریف	نوٹ۔ اس دمہ میں 3 سیرنی چھایا ٹوپہ ہوتا ہے۔ گڈی 1 سیر جھولی 3 سیر تا 5 سیر۔
لوہار	غلہ فی ہل 4 چھا غلہ باجرہ 5 گڈی فی ہل 4 چھال شد ایک گڈی بتہ کھاری یک۔	آلات کشاورزی از قسم آہنی جدید کی تیاری اور کہنہ کی مرمت اس کے ذمے ہے۔ لوہار زمیندار اپنی گرہ سے دیتا ہے۔ سوائے چڑوانے کے اور سب کے لیے کوئلہ زمیندار کا ہوتا ہے۔ شادی غمی پر کوئلہ لوہار کا ہوتا ہے۔
موچی	غلہ بشرح لوہار۔ جانور جو بوقت شادی و غمی ذبح ہوں ان کا چمڑہ لیتا ہے اور جو مر جائے اس کا چمڑہ نصف موچی اور نصف مسلی لیتا ہے۔	پاپوش کہنہ کا مرمت کرنا اور نیا تیار اور ترٹ کو چمڑہ لگانا اس کے ذمہ ہے۔ چمڑہ صرف موچی لیتا ہے اور چمڑے کے عوض ایک جوڑہ سلوا دیتا ہے۔

حجام	غلہ بشرح لوہار اور شادی پر ایک روپیہ نقد بھی دیا جاتا ہے۔	معمولی حجامت بنانا اور شادی غمی میں کھانا پکانا اور پیغام رسانی اس کے ذمہ ہے۔
مسلی	۶ چھا غلہ ایک چھا غلہ	چھج اور کھاری کمنہ اس کے ذمے ہے۔
امام مسجد	غلہ فی گھر ایک چھائی فصل علاوہ اس کے ایک روپیہ نقد بوقت نکاح اور ایک روپیہ میت پر دیا جاتا ہے۔	امامت نماز پنجگانہ۔ نکاح خوانی۔ غسل میت۔ تعلیم مذہبی۔
پنہارہ	غلہ یک چھائی گھر فی فصل اور ایک گڈی۔ چھولی سہ یک شادی پر ۴ آنے نقدی۔ ۴ آنے غمی پر دیئے جاتے ہیں۔	صفائی مسجد اور وضو کے واسطے پانی مسجد میں گرم کرنا اور مسجد کی حفاظت اور مسافران کی خبرگیری اس کے ذمہ ہے

علی ہذا القیاس چاکران دیہی یعنی کمیوں کی لمبی فہرست ہے

ایک اور گاؤں کی شرط واجب العرض میں سے صرف امام مسجد کے متعلق نقل کیا ہے اس فہرست میں امام مسجد کا چوتھا نمبر ہے۔ تیسرا حجام کا ہے۔

قسم چاکر دیہی۔ مد نمبر۴	حقوق	خدمات
امام مسجد	فی ڈھیری یک چھا۔ فی گھر یک گڈی۔ فی گھر ایک چھا۔ غسل مردہ۔ ۱ روپیہ۔ فی نکاح ۱ روپیہ جنازہ پڑھانا۔	بوقت تیاری فصل بسم اللہ لکھ کر دینا۔ نماز پڑھانا اور غسل مردہ۔ نکاح خوانی۔ حفاظت مسجد و خدمت مسافران اور لڑکوں اور لڑکیوں کو پڑھانا۔

اس گاؤں کی لمبی فہرست میں سے صرف امام مسجد کی مد نقل کی ہے اور یہ آج 1994ء کی بات ہے۔

دوسرا سوال کمیں کا مطلب۔ مراد نچ ذات کے وہ لوگ جن کا کام وڈیروں' چوہدریوں' خانوں' ملکوں اور سرداروں کی خدمت کرنا ہے اور اس خدمت کے عوض جو قوت لایموت ان کی طرف سے عطا ہو اس کے ذریعے جسم اور روح کے تعلق کو باقی رکھنا ہے۔

تیسرا سوال کہ ایسا کیوں ہے؟ اس کے جواب کے لیے ماضی بعید کے دھندلکوں میں جھانکنا پڑے گا پھر حال کا مطالعہ کرنا پڑے گا اس طرح جواب کے دو حصے بن جائیں گے یعنی ایسا کیوں تھا

اور ایسا کیوں ہے۔ پہلے حصے کا جواب یہ ہے کہ۔

(۱) 1600ء میں سات سمندر پار سے انگریز اس ملک میں تاجر کی حیثیت سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی صورت میں براجمان ہوا۔ تاجر خواہ علمی اعتبار سے علم نفسیات کا واقف نہ ہو عملاً وہ ماہر نفسیات ہوتا ہے۔ چنانچہ انگریز تاجر نے جہاں اپنی تجارت کو استحکام اور وسعت دی وہاں اس ملک کے باشندوں کی نفسیات کا بغور مطالعہ کیا۔ اس نے دیکھا کہ۔

الف۔ اس ملک میں صدیوں سے مسلمانوں کی حکومت چلی آ رہی ہے۔

ب۔ مسلمان حکمران سہی مگر مسلم معاشرہ میں ہندو معاشرت کئی پہلوؤں سے در آئی ہے۔ ان میں سے ایک پہلو یہ ہے کہ مسلمانوں میں بھی ذات پات کی تمیز اسی طرح سوسائٹی کا حصہ ہے جیسے ہندوؤں میں مذہب کا حصہ ہے۔ جس طرح ہندوؤں میں برہمن' کھشتری' ویش اور شودر ہیں۔ اور سب سے نیچ ذات شودر ہے۔ اور شودر خواہ کتنا پڑھا لکھا عالم' فلاسفر' مفکر ہو وہ نیچ ہی شمار ہوتا ہے اسی طرح مسلمانوں میں اونچی ذات اور نیچی ذاتوں کا تصور موجود ہے چونکہ یہ ایک زرعی ملک ہے اس لیے اس ملک میں اونچی ذات وہ ہے جس کے قبضے میں زمین ہو اور نیچی ذات وہ ہے جو زمین سے محروم ہو اونچی ذات والے مختلف مقامات پر وڈیرے' چوہدری' خان' ملک اور سردار کے القاب سے پکارے جاتے ہیں اور نیچی والے کا کام صرف ان بڑوں کی خدمت اور چاکری کرنا ہے۔ اپنا پس خوردہ جو کچھ وہ دے دیں اس پر یہ صابر و شاکر رہیں۔ نیچ ذات کا آدمی خواہ ہزار خوبیوں اور سینکڑوں کمالات کا مالک ہو' وہ حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ترجمان حقیقت علامہ اقبالؒ نے اسی کیفیت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

ہو گی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی
خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبت زاغ

اس نفسیاتی مطالعہ کے ساتھ انگریز تاجر آہستہ آہستہ حکمرانی کی طرف بڑھنے لگا۔

(2) 1853ء میں اس کا تجارتی کاروبار قانونی طور پر بند ہو گیا اور انگریزوں کی باقاعدہ طور پر حکمرانی شروع ہوئی۔

(3) انگریز نے دیکھا کہ ہندو صدیوں سے غلام چلا آ رہا ہے اور یہ غلامی کا خوگر ہے بلکہ لفظ ہندو کے معنی ہی غلام ہے لہٰذا اس سے کوئی خطرہ نہیں۔

(4) ہم نے مسلمانوں سے حکومت چھینی ہے۔ ان کا یہ جذبہ پھر ابھر سکتا ہے۔

(5) مسلمانوں کا دین سے تعلق اور دین میں جہاد کی فرضیت دو ایسی چیزیں ہیں جن کی وجہ

سے مسلمان ہمارے لئے درد سر بن سکتا ہے اس لیے کسی طرح اس کو دین سے دور، بیزار اور متنفر کیا جائے۔

(6) استدلال کے میدان میں دین پر حملہ ممکن نہیں کیونکہ استدلال میں دین اسلام اپنی برتری کا سکہ منوا چکا ہے اور منوا رہا ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ نفسیاتی جنگ کی جائے تاکہ یہ از خود دین اسلام سے دور بلکہ بیزار ہو جائیں اور بے دینی کی طرف لپکنے لگیں اور کیفیت یہ ہو جائے بقول ترجمان حقیقت۔

کہ خود نخچیر کے دل میں ہو پیدا ذوق نخچیری

اس کے لیے انگریز نے چند تدبیریں کیں۔

(الف) یہ اعلان کیا کہ مسلمانوں کے مدارس کے تعلیم یافتہ کو نوکری نہیں ملے گی۔ یہ پیٹ پر لات مارنے کی تدبیر بھی تھی اور اسلامی مدارس اور اسلامی تعلیم سے بیزار کرنے کا نسخہ بھی تھا۔

(ب) ہوٹل کے بیروں اور دربانوں کے لیے لباس مقرر ہوا۔ پگڑی کلاہ اور اچکن۔ یہ لباس مسلمان علماء کا تھا۔ اس طرح علماء اسلام کا منصب گرانے اور مسلمانوں کے دلوں میں ان کے لیے حقارت کا جذبہ پیدا کرنے کی نہایت موثر تدبیر تھی۔

(ج) کاغذات میں امام مسجد کو کمیں درج کرنے کا حکم دیا گیا۔

جب دین کے قائد کی حیثیت کمیں کی ہو گی تو دین کا مقام خود بخود گر جائے گا۔ چنانچہ 1860ء میں کاغذات مال میں یہ اندراج ہوا اور امام مسجد کو چاکران دیہہ اور کمیوں کی فہرست میں شمار کیا جانے لگا۔

ان تدابیر کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں میں دین کا علم حاصل کرنے کا شوق کم ہونے لگا بالآخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ دین کا علم حاصل کرنا نقصان دہ اور گھٹیا کام شمار ہونے لگا۔ اور امام مسجد کا کمیں لکھا جانا ایسا تیر تھا جو نشانے پر بیٹھا۔

جن ذاتوں کو کسی اعتبار سے اعلیٰ سمجھا جاتا تھا ان ذاتوں کے لوگوں نے مسجد کی امامت سے جان بچانا شروع کر دیا اور وہ لوگ مسجدوں کی امامت سنبھالنے کے لیے آگے بڑھے جن کو نیچ ذات شمار کیا جاتا تھا۔ کیونکہ امامت مسجد میں پھر بھی کچھ عزت تو تھی۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے حالت یہ ہو گئی کہ آپ پورے ملک میں دیہات میں گھوم جائیے آپ کو امام مسجد وہی نظر آئے گا جو "نیچی ذات" سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً جولاہے، موچی، ترکھان، لوہار بلکہ میں نے ایک گاؤں میں ایک

مسلی امام مسجد دیکھا ہے۔ مسلی اسے کہتے ہیں' جس کا کام ڈھول باجے بجانا ہوتا ہے۔

پہلی تدبیر کا اثر یہ ہوا کہ پڑھے لکھے لوگ مسجد کی امامت سے دور رہنے لگے اور گزیٹڈ جاہل مسجدوں کے امام بننے لگے۔ ایسے ہی ایک امام مسجد کے متعلق سنا ہے کہ کسی گاؤں میں امام نے نماز پڑھائی اور آخر میں سجدۂ سہو کیا۔ نمازیوں نے کہا حضرت غلطی تو کوئی نہیں ہوئی آپ نے سجدۂ سہو کیوں کیا؟ جواب دیا ذرا ہوا خارج ہو گئی تھی اسلیے سجدہ سہو کر لیا ہے۔

گر ہمیں مکتب است ہمیں ملا

کار طفلاں تمام خواہد شد

(اگر یہی سکول ہے اور یہی استاد ہیں تو بچوں کا کام تمام ہوا)۔

انگریز نے دوسری تدبیر وہ کی جو ہر فاتح اور حکمران کرتا ہے سوائے پاکستانی حکمرانوں کے اور وہ تدبیر یہ تھی کہ ملک میں ایسا نظام تعلیم رائج کیا جائے جس کے ذریعے NATIVE (مقامی باشندے) خوئے غلامی میں پختہ سے پختہ تر ہوتے چلے جائیں۔ چنانچہ لارڈ میکالے کا تیار کردہ نظام تعلیم رائج کر دیا گیا اور اس کے مطابق نصاب تیار کیا گیا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ غلامانہ ذہنیت کے کالے انگریز تیار کئے جائیں۔ یہ تدبیر بڑی کارگر تھی اور کارگر ثابت ہوئی اس کی قوت علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں۔

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو

ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر

تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب

سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر

مسلمانوں کو دین اسلام سے اور دینی علم سے ایک جذباتی تعلق تھا اس لیے وہ میکالے کے نظام تعلیم کو قبول کرنے کے لیے بخوشی اور جلدی آمادہ نہ ہوئے مگر ہندوؤں نے لپک کر اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور ادھر انگریز کی پالیسی بھی یہ تھی کہ مسلمانوں کو تعلیمی میدان میں بھی پیچھے دھکیلا جائے ان دونوں امور کا مجموعی اثر یہ ہوا کہ۔

(الف) 1881ء میں پورے ہندوستان میں گورنمنٹ ہائی سکولوں میں 36686 ہندو اور 363 مسلمان طلبہ پڑھتے تھے۔

(ب) 1881ء میں پورے ہندوستان میں 3155 ہندو اور 75 مسلمان گریجویٹ تھے۔

میکالے کے نظام تعلیم اور انگریزی زبان کے ذریعے انگریز کلچر جو اس ملک میں در آیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کے ساتھ مسلمانوں کا تعلق مدھم پڑتے پڑتے غیر جانبداری سے بیزاری تک

پہنچ گیا۔ میکالے کی تعلیم کے متعلق ترجمان حقیقت نے تجزیہ کیا ہے۔

ہم نے سمجھا کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

ایسا کیوں تھا کا جواب تو آ گیا کہ یہ انگریز کی ضرورت تھی۔ رہا یہ سوال کہ ایسا کیوں ہے۔ اس کی وجہ بھی نفسیاتی ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انگریز جو ورثہ چھوڑ کر گیا ہے۔ اس میں سے ایک نعمت عظمیٰ وہ چند خاندان ہیں جن کی پرورش اور تربیت نسلاً" بعد نسل انگریز نے خود کی اور ایک خاص مقصد کے لیے وہ چند خاندان وڈیروں' چوہدروں' ملکوں' خانوں اور سرداروں کے ہیں۔ انہیں انگریز نے ذہنی' فکری' تہذیبی اعتبار سے پورے طور پر اپنے رنگ میں رنگ دیا تھا یہ اول و آخر انگریز تھے۔ صرف لیبل دوسرا تھا۔ انگریز یہاں سے جاتے وقت حکومت کا چارج اسی طبقہ کو دے کے گیا جسے آج ہم آزادی کہتے ہیں یہ ایک تہمت ہے جو ہمارے ساتھ چپکا دی گئی ہے ورنہ اس کی حقیقت صرف یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء سے پہلے ہم برطانیہ کے غلام تھے۔ برطانیہ ہمارے سروں پر بیٹھ کر سفید انگریزوں کے ذریعے ہم پر حکومت کرتا تھا اور ہم برطانیہ کے زر خرید غلام تھے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد تبدیلی یہ ہوئی کہ ہم اب امریکہ کے غلام ہیں وہ دور اپنے گھر بیٹھا ہوا ریموٹ کنٹرول سے کالے انگریزوں کے ذریعے ہم پر حکومت کر رہا ہے اور ہم امریکہ کے زر خرید غلام ہیں اور ہمیں ترجمان حقیقت کے اس شعر کا مفہوم سمجھ میں آ گیا۔

اگر قبول کرے دین مصطفیٰ انگریز
سیاہ روز مسلماں رہے گا پھر بھی غلام

چنانچہ الیکشن کا ڈرامہ یہاں ہوتا ہے اور حکومت امریکہ میں بنتی ہے اگر کسی وجہ سے نہ بن سکے تو امریکہ سے بنی بنائی بھیج دی جاتی ہے۔ انگریز کے ان شاگردان رشید کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ دین یا دین کے علمبرداروں کو کوئی عزت کا مقام ملے۔ پر کیوں اس تلخ حقیقت کی طرف توجہ دیتے کہ امام مسجد کو کیں قرار دینا ایک اسلام دشمن قوم کا شیوہ تھا۔ ہم اس لعنت کو یکسر مٹانا چاہتے ہیں۔ انگریز کے ان جانشینوں کے متعلق انہی میں سے ایک مفکر کی رائے۔

"نوائے وقت 3-9-96" عنوان۔ پاکستان نظریہ اسلام کے تحت وجود میں نہیں آیا۔ تالپور۔

"سابق وزیر دفاع میر علی احمد تالپور نے کہا ہے کہ میں اس سے اتفاق نہیں کروں گا کہ پاکستان نظریہ اسلام کے تحت وجود میں آیا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو غلام محمد' سکندر مرزا' ایوب خان' یحییٰ خان اور بھٹو جیسے لوگ ہرگز برسر اقتدار نہ آتے"۔

لیجئے یہ بات کہنے والا کوئی "کیں" نہیں ایک وڈیرا ہے۔ ان کے ضمیر نے انگڑائی لی اور

بات سچی کہہ گیا اور یہ قابل قدر ہے کیونکہ مشہور ہے۔

ولی را ولی می شناسد

تالپور نے جو نام لئے ان کے خیال کے مطابق یہ لوگ کسی اسلامی ملک کے سربراہ ہونے کے قابل ہرگز نہیں تھے۔ ظاہر ہے کہ ان میں مختلف ایسے اوصاف ہوں گے جن کی بنا پر وہ اس اعزاز کے اہل نہیں تھے مگر کوئی قدر مشترک ضرور ہو گی۔ شاید ان میں قدر مشترک یہی مجبوری ہو کہ۔

مجھے شرع سے کوئی ضد نہیں پر اس اتفاق کو کیا کروں
کہ جو وقت میکشی کا ہو وہی عین وقت نماز ہو

بہرحال تالپور صاحب کی بات اب تک علی حالہ قائم ہے۔ اس طبقے کی خاص نفسیات ہیں چنانچہ قرآن کریم نے ان کی نفسیات کا ایک پہلو بڑی تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

1۔ حضرت نوحؑ نے جب دین کی دعوت پیش کی تو قوم کے وڈیروں نے کہا۔ "ہم دیکھتے ہیں کہ تیرے پاس "کیوں" کی بھرمار ہے۔ ہم بھلا ان کے ساتھ کیسے بیٹھ سکتے ہیں۔ ہم تمہاری برتری تسلیم نہیں کرتے۔ (الشعراء)

2۔ حضرت ھود علیہ السلام نے دین کی دعوت دی تو قوم کے چوہدریوں نے کہا۔ "ہمیں یوں نظر آتا ہے کہ تم حماقت کی دلدل میں پھنسے ہو"۔ (اعراف)

3۔ قوم لوطؑ کے نوابوں نے دینی دعوت سن کر کہا کہ "ان پاکبازوں کو ملک بدر کر دو"۔ (اعراف)

4۔ قوم شعیبؑ کے خوانین نے کہا لوگو! شعیبؑ کی بات مانو گے تو خسارے میں رہو گے۔

5۔ قوم فرعون کے سرداروں نے کہا یہ دین تو نرا فساد ہے اور موسیٰؑ بڑا فسادی ہے اے فرعون کیا تو اسے کھلی چھٹی دیئے رکھے گا۔ (اعراف)

6۔ مکہ کے سرداروں نے کہا کہ اگر دین و ایمان کوئی فضیلت یا آنر کی چیز ہوتی تو تم کس طرح ہم سے سبق لے جا سکتے تھے۔

7۔ سورہ سبا میں اللہ کریم نے یہ اصول بتا دیا کہ جب بھی ہم نے کسی قوم میں کوئی رسول بھیجا اس قوم کے وڈیروں اور چوہدریوں نے ہمیشہ یہ کہا کہ ہم تمہاری بات نہیں مانتے افرادی قوت اور مال و دولت کے لحاظ سے ہم تم لوگوں سے افضل و برتر ہیں۔

معلوم ہوا کہ یہ طبقہ تو طبعاً" دین کا مخالف رہا ہے ان سے کیا توقع ہو سکتی تھی کہ ان کے ہاتھوں دین کی سربلندی کا کوئی کام ہو سکے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ یہ برتری اور آنر کے

لیے مرتے ہیں۔ لسان العصر اکبر الہ آبادیؒ نے ان کی اس پیاس کی تصویر کشی کی ہے۔

کیوں سول سرجن کا آنا روکتا ہے ہم نشیں
اس میں ہے اک بات آنر کی شفا ہو یا نہ ہو

یعنی مرجانا منظور ہے آنر کی بات سے ہاتھ کھینچنا منظور نہیں اور اس کا نتیجہ بھی لسان العصر کی زبان سے سنئے۔

جب سے ہم میں آنریبل اور سر پیدا ہوئے
سوئے فتنے جاگ اٹھے اور شر پیدا ہوئے

آنر کے لیے اس طبقے کے جنون کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہتے ہیں۔

آمادہ ہیں جتنے وہ آنر کے لیے
مادہ نہیں ہوتی اتنی نر کے لیے

تو معلوم ہوا کہ دین یا ایمان کوئی آنر کی بات ہوتی تو یہ طبقہ لپک لپک کر اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتا جب اس طبقے کا نظریہ یہ ہے دین اور مذہب سے رغبت کیوں کا کام ہے تو یہ کیوں اس طرف بڑھیں۔ اگر دین بھی کوئی آنر کی چیز ہوتی تو ان کی توجہ بھی ادھر ہوتی۔ آج سارے ملک کا سروے کر کے دیکھ لیں۔ کہیں کوئی وڈیرا یا چوہدری عالم دین یا دین کا علم پڑھا ہوا ملتا ہے کیا کوئی چوہدری یا سردار کسی مسجد کا امام پایا جاتا ہے۔

کیوں؟ اس لیے کہ ان کی نگاہ میں یہ کیوں کا کام ہے۔ چشم فلک نے یہ منظر بھی دیکھا ہے کہ اس طبقے نے جب دین کو عزت اور آنر کی چیز سمجھا اس کی طرف لپکے چنانچہ عہد نبوت اور دور صحابہؓ کو تو چھوڑے کہ تربیت نبویؐ سے یہ لوگ اس قدر بدل گئے تھے کہ دین کے علاوہ کسی چیز کی عزت اور آنر کا سبب سمجھتے ہی نہیں تھے۔ بعد میں بھی جو مسلمان بادشاہ آئے دین کا علم رکھتے تھے اور علماء کو مصاحب بھی بناتے تھے۔ ابھی ماضی قریب کی بات ہے۔ نواب قطب الدین خان نے مشکوۃ المصابیح کی جو شرح مظاہر حق لکھی ہے اس کی حیثیت دینی لٹریچر میں وہی ہے جو شاہ عبدالقادر کے ترجمہ قرآن کی ہے۔ اسی طرح نواب صدیق حسن خان کتنے بڑے دینی عالم اور محقق گزرے ہیں۔ صرف اس لیے کہ وہ دین کو ہی عزت او آنر کی چیز رکھتے تھے۔ ورنہ حالت تو یہ ہے کہ ہمارے کسی حکمران کو کسی عالم نے چیلنج کیا تھا کہ تم دعائے قنوت ہی سنا دو وہ بیچارہ کیسے سنائے اس کا باپ دادا بلکہ پشتوں تک کسی کو نماز پڑھنے کا حادثہ پیش ہی نہیں آیا تھا۔

اس لیے 1860ء کی انگریز کی میراث 1984ء میں بھی اسلامی جمہوریہ پاکستان کے گلے کا ہار ہے۔

اب ایسا کیوں ہے کی دوسری وجہ انگریز کا ایک اور ورثہ ہے اور وہ ہے جمہوریت کی لعنت۔ ابلیس نے اولاد آدمؑ سے انتقام لینے کے لیے آج تک جتنے ہتھیار ایجاد کئے ہیں ان میں سب سے زیادہ خطرناک اور مہلک ہتھیار یہ جمہوریت ہے۔ جہاں تک اس کے علمی مقام کا تعلق ہے مغرب جس کو قیادت کا درجہ حاصل ہے۔ اس کی رائے یہ ہے۔

(1) جمہوریت ایک ایسا نظام ہے جس میں اعلیٰ اور نیک خصلت مگر خاموش انسانوں کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ یہاں اقتدار لاف زنی کرنے والے دھوکا بازوں کے حصے میں آتا ہے۔ (کارلائل)

(2) رائے عامہ کا سرچشمہ نہ تو علم ہے نہ عقل و فہم بلکہ اسے ہمیشہ اپنے اپنے گروہ کے مفادات جنم دیتے ہیں۔ (جمہوریت کا بحران۔ ہیرلڈ لاسکی)

مگر ہمارے حکمرانوں نے اسے جمہوریت نہیں رہنے دیا بلکہ اسلامی جمہوریت بنا لیا ہے۔ چنانچہ 1956ء میں اپنی آزاد سلطنت کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" رکھ لیا۔ قائدہ ہے کہ بچہ کے پیدا ہوتے ہی اس کا نام رکھا جاتا ہے تو اس ملک کے وجود میں آنے کے ۹ سال بعد اس کا نام تو رکھ ہی لیا۔ یہ ہمارے اس طبقہ کی پھرتی ہے جو اب تک حکمران چلا آ رہا ہے۔ ہم تقسیم ملک سے پہلے کہتے تھے کہ ہمارے پاس بنا بنایا آئین۔ قرآن موجود ہے مشکل تو ہندوؤں کے لیے ہے اور ہوا یہ کہ پاکستان سے چار گنا آبادی والا ملک 1951ء میں دستور بنا دے اور پانچ صوبوں والا پاکستان جس کے پاس آئین موجود تھا۔ وہ 1956ء میں ملک کا نام رکھے اور یہ بھی اس وجہ سے ہو گیا کہ ایک سچ مچ کا مسلمان چوہدری محمد علی کسی طرح حادثہ کے طور پر اقتدار کی حدود میں گھس آیا۔

بہرحال جب یہ اسلامی جمہوریہ بن گئی تو حالات ہی بدل گئے۔ چنانچہ 1988ء میں صدارتی اعلان ہوا۔

"فاسق' بد دیانت اور غیر متقی لوگ انتخاب نہیں لڑ سکیں گے"۔ (جنگ ۔ 88-10-7)

اور 90ء میں اعلان ہوا۔

"ہر وہ شخص نا اہل ہو گا جو اسلام کے مقرر کردہ فرائض کا پابند نہ ہو۔ کبیرہ گناہوں سے نہ بچتا ہو۔ اخلاقی پستی میں ملوث ہو' غیر پارسا' بد دیانت' فاسق' سزا یافتہ اور نظریہ پاکستان کا مخالف ہو۔ اسلامی اقدار سے انحراف کرتا ہو۔ اسلامی تعلیمات کا علم نہ رکھتا ہو' (جنگ 90-8-24)۔

لیجئے اب تو بات ہی اور ہو گئی چنانچہ الیکشن کمیشن کی چھلنی سے چھن کر جو علماء اور متقی اور پارسا میدان میں اترے ان میں سے جو زیادہ متقی تھے وہ کامیاب ہو گئے۔

اب مصیبت یہ آن پڑی کہ پارلیمنٹ میں جدھر دیکھو متقی ہی متقی۔

ہر اک پھول بجائے خود ایک گلشن ہے
میں کس کو ترک کروں کس کو اختیار کروں

کی کیفیت پیدا ہو گئی مگر اللہ کے بندوں کا اللہ خود ہی کار ساز ہوتا ہے۔ عقدہ کشائی کے لیے ایک نکتہ ہاتھ آگیا وہ یہ کہ سارے متقی ایسے تھے جن کے تقوے دیسی تھے۔ ایک تقوی ولایتی مل گیا (Made in England) اور ولایتی چیز کی برتری تو مسلم ہے۔ اس لیے ولایتی تقوی کو امام المتقین بنا دیا گیا۔

اب ذرا اس اسلامی جمہوریت اور اس تقوی کی کرامات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ نوائے وقت ۔ 5-6-91

"صوبہ سرحد کا سابق وزیراعلیٰ امان اللہ کنڈی 25 کروڑ روپے کی ہیروئن سمیت پکڑا گیا"۔

2۔ نوائے وقت 5-6-91

"بلا ڈکیت گروپ کے سرغنہ سمیت 5 ملزموں کو گرفتار کر لیا گیا۔ S.P کو "با اثر" افراد کے فون آئے کہ انہیں چھوڑ دو ورنہ اچھا نہ ہو گا"۔

3۔ نوائے وقت ۔ 24-9-92

"خصوصی عدالت نے پیپلزپارٹی دور کے وزیر مملکت ملک وارث خان آفریدی سمیت 7 افراد کو منشیات کی سمگلنگ کے ایک مقدمہ میں پانچ پانچ سال قید سخت پچاس پچاس ہزار روپے جرمانہ اور بیس بیس کوڑوں کی سزا سنائی"۔

4۔ نوائے وقت ۔ 24-6-92

ڈاکوؤں کی سرپرستی اور بھتہ وصول کرنے کے الزامات میں بعض صوبائی وزراء کے خلاف بھی تحقیقات شروع کر دی گئی ہے۔ ایک وزیر مخبر تھے' کابینہ کے اجلاس میں کئے گئے فیصلے ڈاکوؤں تک پہنچاتے تھے۔

5۔ نوائے وقت 1-8-92

اچھرہ پولیس لاہور نے ماڈل ٹاؤن کی ایک کوٹھی پر چھاپہ مار کر پیپلزپارٹی کے ایک رہنما اور سابق وفاقی وزیر ملک مختار احمد سمیت 13 خواتین و حضرات کو شراب کے نشے میں دھت ہو کر رنگ رلیاں مناتے ہوئے گرفتار کر لیا ہے ان کے قبضے سے غیر ملکی شراب کی 9 بوتلیں۔ -/13600 روپے کی کرنسی نوٹ برآمد کر لئے ہیں۔ پولیس رپورٹ کے مطابق ملک مختار اعوان سمیت سات افراد شاہی محلہ سے لائی ہوئی چھ عورتوں کے ہمراہ

برہنہ حالت میں ڈانس کرتے ہوئے گرفتار ہوئے۔

-6 نوائے وقت 28-11-92

سابق وزیر ریلوے میاں عطاء اللہ دھوکہ دہی کے الزام میں گرفتار۔ کار پر جعلی نمبر لگا رکھا تھا۔ متعدد اعلیٰ افسران سے رقوم لے کر واپس نہیں کیں۔

-7 جنگ - 26-6-92

"MQM کے دو ارکان اسمبلی امیر حیدر شاہ اور قبول شاہ ملک سے فرار ہو گئے"۔

-8 نوائے وقت 25-8-91

"ذوالفقار اعوان MPA کروڑوں روپے غبن کرنے کے الزام میں گرفتار کر لئے گئے۔

-9 نوائے وقت 29-8-91

اغواء برائے تاوان کے 5 اور ناجائز اسلحہ کے 5 مقدمات میں مفرور ملزمان PDA کے MNA خورشید شاہ اور MPA مظہر الحق کے ناقابل ضمانت وارنٹ گرفتاری جاری کر دیئے گئے۔

-10. نوائے وقت 6-5-92

ارکان اسمبلی اس قابل نہیں کہ وہ معزز ایوان میں بیٹھیں یہ لوگ تو ہمارے معاشرے کا "ناسور" ہیں۔ (جسٹس جاوید اقبال)

-11 نوائے وقت 19-6-92

اسمبلیوں کے ارکان قوم کے لیے خدا کا عذاب بن گئے۔ کھر (خود رکن اسمبلی ہیں)۔

-12 نوائے وقت۔ 13-10-92

قومی اسمبلی میں گالیاں' دھمکیاں' حملے' ارکان بے قابو ہو گئے۔ "یہ حرامزادہ ہے" نصرت بھٹو نے اسد الرحمان کی طرف اشارہ کر کے کہا اور منہ پر ہاتھ مار مار کر بولتی رہیں۔

یہ ہیں جمہوریت کی برکات اور یہ ہیں پاکستانی تقوی اور جمہوریت کے متقیوں کے کارہائے نمایاں۔ بھلا جن کو بات کرنے کی تمیز نہ ہو وہ قوم اور اسلام کی خدمت کریں گے اور جس مجلس میں لکھنؤ کی بھٹیاریوں کا سماں نظر آئے یا جس مجلس میں "شاہی محلّہ کے باسیوں کی قومی زبان" میں ملاحیاں سنائی جائیں۔ شریف آدمیوں کی مجلس ہے۔ مگر

جمہوریت میں تو یہ تقوی کا عطر ہے۔

1:- جنگ 88-4-14

یہاں کفر، لادینیت اور غنڈہ گردی تو آ سکتی ہے۔ شرافت، اسلام اور انسان دوستی نہیں آ سکتی۔ (مسٹر حمزہ)

14- نوائے وقت 92-11-26

کوئی ایماندار اور ذہین محض الیکشن نہیں لڑ سکتا۔ (آصف احمد علی)

خیر سے آپ الیکشن لڑے بھی ہیں اور وزیر بھی ہیں۔ وہ خود ہی بتائیں کہ وہ کیا ہیں۔

15- نوائے وقت 91-8-24

یہ کیسا شریعت بل ہے کہ سیاسی نظام اور عدالت کے فیصلے کو متاثر نہیں کرے گا۔ حکومت کے انتظامی ڈھانچے اور پارلیمنٹ کے اختیارات کو متاثر نہیں کرے گا۔ (میاں طفیل محمد)

یعنی اسلامی جمہوریہ پاکستان کی متقیوں پر مشتمل پارلیمنٹ نے ایسا شریعت بل پاس کر دیا جو کفر کو بالکل نہیں چھیڑے گا۔ یعنی کافرانہ اسلام نافذ کر کے دکھا دے گا۔ یعنی اسلام پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔

دوستوں کا کرم معاذ اللہ

شکوۂ جور دشمناں نہ رہا

16- نوائے وقت 92-10-19

موجودہ بل میں شریعت کے سوا سب کچھ ہے۔ (جسٹس جاوید اقبال)۔

کیا ہوا شمع تو نے بجھا دی اے دوست

دہر کے شعلہ زبانوں نے تجھے داد تو دی

17- نوائے وقت۔ 92-8-2

"قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق ڈھالنے کا آرڈیننس نافذ کر دیا گیا"۔

یعنی اسلامی جمہوریہ میں 1992ء تک تعزیرات پاکستان 1860ء اور ضابطہ فوجداری 1898ء رائج رہا۔

18- نوائے وقت۔ 92-8-3

توقع ہے کہ قرآن و سنت کو سپریم لا قرار دینے کے لیے آئینی ترمیم قومی اسمبلی

کے موجودہ اجلاس میں پیش کر دی جائے گی۔ جس کی منظوری کے بعد حکومت کا ایک اور وعدہ پورا ہو جائے گا۔ (وزیراعظم)

یعنی 1992ء تک قرآن و سنت کو سپریم لا نہیں بنایا گیا بلکہ 1994ء تک بھی نہیں بنایا گیا تو یہ جمہوریہ اسلامی کیسے بن گئی۔ آدمی اقرار شہادتین سے ہی تو مسلمان ہوتا ہے' اور یہ اقرار دراصل قرآن و سنت کو سپریم لا ماننا ہی تو ہے۔ جب آئین میں قرآن و سنت کو سپریم لا تسلیم ہی نہیں کیا گیا تو ریاست اسلامی کیسے بن گئی۔ اس کے بغیر اس کا نام اسلامی جمہوریہ رکھنا تو ایسا ہے ہے جیسے گھانسی رام کا نام ذوالفقار علی رکھ دیا۔ رہے گھانسی رام مگر اسے ذوالفقار علی کہا کرو۔

تو ایسا کیوں ہے کی دوسری وجہ یہ جمہوریت کی لعنت ہے اس کے ہوتے ہوئے دین شریعت اسلام وغیرہ کو قابل عزت کیونکہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ جس جمہوریت میں ایسے متقی "کریم آف نیشن" ہوں اس جمہوریت سے کسی چیز کی توقع کب ہو سکتی ہے۔ یہاں تو اسلام دہائی دے رہا ہے۔

"مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ"۔

اس لیے امام مسجد کمیں ہی رہے گا اور کمیں ہی امام مسجد رہیں گے۔

ہاں فوج میں وقفے وقفے بعد امام مسجد کے ساتھ بہتر سلوک ہوتا رہا۔ جس کی صورت کچھ یوں ہے۔

1940ء میں آرمی ریگولیشن میں پادری کا ذکر تو بڑی تفصیل سے ہے۔ آرٹیکل نمبر 1609 سے لے کر 1615 تک پادری کے متعلق تفصیلات ہیں آخر میں ریلجس بکس میں انجیل کی تین قسموں کا ذکر ہے۔ امام مسجد کا کہیں ذکر نہیں۔ آزادی کے بعد یہی صورت رہی کہ کلاس فور سرونٹس کے طور پر امام مسجد سویلین بھرتی ہوتے رہے 1957ء میں اکو پنشن کا حق دیا گیا۔ 1963ء میں تنخواہ پر نظر ثانی کی گئی اور ایک تقابلی لسٹ تیار ہوئی جس کا کچھ حصہ درج ذیل ہے۔

Category Pay 1949 Pay 1963

Chaplain / Father Rs 100 / fixed Rs 125 /- fixed.

Religious Teacher (i) 35 - 5 / 10-45 (i) 75 - 1- 90.

Band Master 115 - 15 /2 - 175   170 - 10 - 270 - 15 - 315

[illegible] - 10 - 225.

تقابل سے 1963ء تک امام مسجد کا مقام واضح ہو جاتا ہے۔ 1968ء میں سٹیٹس بلند کیا گیا

Non - gazetted Class تنخواہ 170-5- EB -120-4-100 1974ء میں درجہ اور بلند کیا گیا یعنی سکیل 5 دیا گیا۔

Unqualified امام کو سقہ' لانگری وغیرہ بھرتی کرتے تھے اور کام امام مسجد کا لیتے تھے۔

1977ء میں کوئی ایسا جرنیل برسر اقتدار آگیا جو غالباً" مسجد میں جانے میں عار نہیں سمجھتا تھا اور امام کے منصب سے بھی کسی قدر واقفیت تھی اور وڈیرا یا سردار بھی نہیں تھا۔ ستمبر 1977ء میں ریلجس ٹیچر یعنی امام مسجد کو کمیشنڈ آفیسر اور جونیئر کمیشنڈ آفیسر کا رینک دیا گیا جس کو انگریز کے زمانے میں V.C.O یعنی وائسرائے کمیشنڈ آفیسر کہتے تھے۔ 1977ء سے اب تک فوج میں یہی معمول چلا آ رہا ہے۔ بہرحال فوج میں اب امام مسجد "کمیں" نہیں رہا۔ عین ممکن ہے سول میں بھی کوئی ایسا وڈیرا یا چوہدری برسر اقتدار آ جائے جسے کہیں سے یہ علم ہو جائے کہ اسلام میں مسجد اور امام مسجد کا کیا مقام ہے تو کاغذات مال سے کمیوں کی فہرست سے امام مسجد کا نام خارج کر دیا جائے۔ گو اس کا امکان بہت کم ہے کیونکہ اب تک قرآن و سنت کے مقام کو پہچاننے والا حکمران کوئی نہیں آیا تو امام مسجد بیچارے کو کون پوچھتا ہے۔

گلہ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہل حرم سے ہے
کسی بتکدے میں بیاں کروں تو صنم بھی کہہ دے ہری ہری

آسمان جمہوریت کے درخشندہ ستاروں کے کارہائے نمایاں تو آپ نے دیکھ لئے اب ذرا بی مہوریت کا تجزیہ کر کے دیکھیں کہ اس کے ساتھ وفاداری کا عالم کیا ہے۔

جمہوریت کا ایک نمایاں اصول بلکہ خصوصیت یہ ہے کہ اکثریت جو کہے حق وہ ہے۔ اور حق کوئی مستقل قدر نہیں بلکہ یہ اکثریت کی رائے کے ماتحت ہے۔ آج اکثریت جسے حق کہتی ہے وہ حق ہے اور کل اگر یہی اکثریت ناحق کہتی ہے تو وہ ناحق ہو گا اس کی واضح مثال جمہوریت کے امام امریکہ کی موجود ہے۔

1920ء میں امریکی قانون ساز اسمبلی نے اکثریت کی رائے سے شراب کو ممنوع قرار دیا اور کوئی 14 برس تک اس قانون کے نفاذ میں ساڑھے چار ملین ڈالر خرچ ہوئے آخر 1933ء میں اکثریت نے شراب کو جائز قرار دے دیا۔

جمہوریت کے اس اصول کے تحت ذرا اپنے حالیہ انتخابات کا جائزہ لیجئے۔

1۔ رجسٹرڈ ووٹوں کی تعداد۔ 5 کروڑ 22 لاکھ۔

2۔ اس الیکشن میں جو ووٹ ڈالے گئے۔ 1 کروڑ 98 لاکھ 36 ہزار۔

3۔ ڈالے گئے ووٹوں کا تناسب۔ 38 فیصد۔

یعنی 62 فیصد ووٹروں نے ووٹ نہیں ڈالے جس کا مطلب یہ ہے کہ ملک کے 62 فیصد ووٹروں نے کسی امیدوار کو اس قابل نہیں سمجھا کہ اسے قوم یا اسلام کی نمائندگی کا اہل قرار دیا جائے۔

یہ جو 38 فیصد ووٹ ڈالے گئے ان میں سے 38 فیصد پیپلزپارٹی کے حصے میں آئے۔ یعنی کل رجسٹرڈ ووٹوں کا 14.4 فیصد P.P نے لئے۔ یعنی ملکی 14.4 فیصد آبادی نے PP پر اعتماد کیا۔ P.P کی حکومت بن گئی۔ یا یوں کہئے کہ جمہوریت کی گت بن گئی۔

جمہوریت کا یہ حال اور اسلام کا یہ حال ہے کہ نصف صدی گزرنے کے باوجود قرآن و سنت کو اسلام کے شیدائیوں نے ملک کا سپریم لا بننے نہیں دیا۔ پھر بھی ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے۔

سٹاپ پریس: آج ہی خبر آئی ہے کہ ہماری مسیحوں کی پارلیمنٹ نے قانون پاس کر دیا ہے کہ توہین رسالت جس پر اب تک سزائے موت تھی آئندہ قابل دست اندازی پولیس نہ ہو گی۔

اب انگریز کی دور اندیشی منصوبہ Long Term

مسلمانوں کے دلوں سے اسلام کی محبت اور محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قلبی لگاؤ ختم کرنے اور اسے صرف ضابطے کی کارروائی بنانے کے لیے 1860ء میں جو کارروائی کی تھی اس سے ایک اور پہلو پر اثر یہ ہوا کہ اسلام کو مسخ کرنے اور مسلمانوں میں تشتت و افتراق پیدا کرنے میں بھی 1860ء کی کارروائی کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔

مسلمانوں میں اس وقت جو تا اتفاقی پائی جاتی ہے اور اختلافی مسائل پیدا کر کے اور انہیں ہوا دے کر انہیں کفر و اسلام کے مسائل قرار دیا جاتا ہے اس کا سرا بھی اسی 1860ء کے سر ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جہاں اسلام ہے وہاں فرقہ نہیں اور جہاں فرقہ ہے وہاں اسلام نہیں بلکہ قانون کی مختلف تعبیرات کو فرقہ کا نام دے کر مسلمانوں کو خوب لڑایا جاتا ہے۔

اپنے اختلافی مسائل پر آپ غور کریں تو معلوم ہو گا کہ کسی مسئلہ کا تعلق دین سے نہیں ہے بلکہ ان کا تعلق۔

۱۔ یا تو گانے سے ہے۔

2- یا کھانے سے ہے۔
3- یا دکھانے یعنی Show سے ہے اور بس۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب امام مسجد کو کمیں قرار دیا گیا تو رفتہ رفتہ جاہل لوگ اور ان ذاتوں کے لوگ امام مسجد بننے لگے جن کو گھٹیا ذاتیں یا کمیں ذاتیں سمجھا جاتا ہے۔ اب یہ انسانی نفسیات کا مسئلہ ہے ہر آدمی اپنی اہمیت بنانا اور ظاہر کرنا چاہتا ہے دوسرا معاشی مسئلہ ہے کہ ہر شخص پیٹ بھر کے کھانا چاہتا ہے۔ اس لیے ان نئے اماموں نے نئے نئے مسائل ایجاد کرنے شروع کیے۔ مثلاً کلمہ شریف گانا چاہیے۔ درود شریف بھی گانا چاہیے اور قرآن شریف بھی گانا چاہیے اور اس کے لیے تو خاص راگ پہاڑی مخصوص ہے۔ لاؤڈ سپیکر نے تو اس مسئلہ کو مہمیز کا کام دیا اور Music minded لوگوں نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔

اسی طرح کھانے کے موضوع کو لیں یہ تیجا' چوتھا' جمعرات' چہلم گیارھویں شریف یہ ان "کمیں اماموں" نے پیٹ کی خاطر ایجاد کیے۔ آپ تاریخی جائزہ لیں تو آپ کو 1860ء سے پہلے ان میں سے کسی مسئلہ کا وجود نہیں ملے گا۔

اسی طرح کے ایک امام صاحب نے اپنی وفات سے کچھ پہلے ایک وصیت نامہ لکھوایا جس میں وصیت نمبر12 یہ ہے۔

"اعزا سے اگر بطیب خاطر ممکن ہو تو فاتحہ میں ہفتہ میں دو تین بار ان اشیاء سے بھی کچھ بھیج دیا کریں۔ دودھ کا برف خانہ ساز اگرچہ بھینس کے دودھ کا ہو۔ مرغ کی بریانی' مرغ پلاؤ' خواہ بکری کا شامی کباب ہو۔ پراٹھے' بالائی' فیرنی' ارد کی پھریری دال مع ادرک و لوازم۔ گوشت بھری کچوریاں۔ سیب کا پانی' سوڈے کی بوتل' دودھ کا برف"۔ دیکھ لیجئے یہ ہے کھانے کے مسئلہ کی اہمیت۔

اسی طرح دکھانے کے مسائل ہیں۔ ڈرامے' جلوس' روشنیاں' ان میں گانا بجانا' یہ سب "ٹوہر" بنانے کے لیے ہوتا ہے۔ جشن میلاد کو دیکھ لو۔ یہ پہلے صرف سادہ سی "بارہ وفات" کے نام سے تقریب ہوتی تھی۔ پھر اس کو میلاد کا نام دیا گیا۔ دائرہ عمل ذرا وسیع ہوا پھر اسے عید میلاد کا نام دیا گیا۔ مگر عید کے لفظ کے ساتھ ایک "مصیبت" چپکی ہوئی تھی کہ ویسے روزانہ پانچ وقت نماز اور عید کے دن چھ وقت۔ لہٰذا اسے بھی بدلنا پڑا اور اب جشن میلاد ہے۔ کیونکہ جشن کی تعریف یہ ہے کہ جشن وہ ہوتا ہے جس میں ہر شخص اپنی پسند کے مطابق خوشی منائے' ناچے' کودے' گائے اور بہروپ دھارے۔

مختصر یہ ہے کہ یہ سارے اختلافی مسائل 1860ء کے اثرات ہیں 1860ء سے پہلے ان میں

سے کسی مسئلہ کا ذکر تاریخ میں نہیں ملتا۔ افسوس ہے کہ دشمن کی اس چال کو اب تک مسلمان نہیں سمجھے اور بات یہاں تک پہنچی کہ

مسلمانی در کتاب و مسلماناں در گور

○ === ○ === ○